www.KitaboSunnat.com

اس کمپنی کے اثاثہ جات کی کل رقم ایک کروڑ روپے ہے اب زید نامی ایک شخص نے اس کمپنی کے ایک لاکھ روپے کے ایک ہزار حصص خرید رکھے ہیں۔ چنانچہ اس کے یہ حصص کمپنی کے اثاثہ جات کے تناسب سے اس طرح تقسیم ہوں گے:

زید کے کل حصص کی قیمت:	1,00,000 ایک لاکھ روپے
عمارت میں زید کا حصہ:	40000 روپے
مشینری میں زید کا حصہ:	20000 روپے
خام اور تیار مال میں زید کا حصہ:	20000 روپے
قابل وصول قرضوں میں زید کا حصہ:	10,000 روپے
کمپنی کے اکاؤنٹ میں زید کا حصہ:	10,000 روپے
زید کے حصص کی مجموعی رقم:	1,00,000 ایک لاکھ روپے

مذکورہ صورت میں زید کے حصص میں سے مشینری اور عمارت کی نمائندگی کرنے والے حصص کی رقم 60,000 روپے ہے اور مشینری اور عمارت، آلات تجارت اور ذرائع پیداوار ہونے کی وجہ سے چونکہ زکاۃ سے مستثنیٰ ہیں لہٰذا زید کے بقیہ 40 ہزار روپے کے حصص جو موجود ہیں، ان میں سے اڑھائی فیصد زکاۃ نکالنا فرض ہے اور اگر زید کے پاس اس کے علاوہ ایسا اور مال بھی موجود ہے جس پر سال کا عرصہ گزر چکا ہے تو اسے بھی ان کے ساتھ جمع کر کے کل مال پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی مثلاً اس 40 ہزار روپے کے علاوہ بھی اگر زید کے پاس 60 ہزار روپے موجود ہوں تو کل 100000 ایک لاکھ روپے میں سے اڑھائی فیصد کے حساب سے 2500 روپے بطور زکاۃ ادا کئے جائیں گے۔

دوسری صورت میں زکاۃ:

یعنی حصص شروع ہی سے اس نیت کے ساتھ خریدے گئے ہوں کہ جب ان کی قیمت بڑھ جائے گی تو انہیں بیچ کر نفع حاصل کیا جائے گا تو ایسی صورت میں حصص چونکہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مال تجارت کی حیثیت سے خریدے گئے ہیں لہٰذا حصص کی کل مالیت پر زکاۃ ادا کی جائے گی اور مشینری وعمارت وغیرہ کی رقم کو اس میں سے منہا نہیں کیا جائے گا کیونکہ مندرجہ صورت میں مشینری وعمارت، آلات تجارت و ذرائع پیداوار کی حیثیت کی بجائے مال تجارت کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں لہٰذا اب انہیں مستثنیٰ نہیں کیا جائے گا۔

گویا گذشتہ مثال کی رو سے اگر زید نے ایک لاکھ روپے کے حصص شروع ہی سے اس نیت سے خریدے ہوں کہ جب ان کی مالیت بڑھ جائے گی تو میں انہیں فروخت کردوں گا تو اب زید کے لئے مشینری اور عمارت کی نمائندگی کرنے والے حصص جن کی مالیت 60 ہزار روپے بنتی تھی، کو کل حصص میں سے منہا کرنا جائز نہیں ہوگا۔ لیکن اگر شروع میں حصص اس نیت سے خریدے ہوں کہ مضاربت کی بنیاد پر کمپنی کے سالانہ نفع میں شریک بنا جائے تو پھر مشینری اور عمارت وغیرہ کے متناسب حصوں کو منہا کیا جائے گا خواہ بعد میں کسی ضرورت کی بنا پر ان حصص کو فروخت ہی کیوں نہ کردیا جائے۔

حصص کی کون سی قیمت شمار کی جائے گی؟

حصص خواہ کمپنی کے نفع ونقصان میں شرکت کے لئے خریدے جائیں یا نفع (کیپیٹل گین) حاصل کرنے کے لئے سامان تجارت کے طور پر انہیں خریدا جائے، بہر دوصورت ان کی زکاۃ مارکیٹ ویلیو کے حساب سے نکالی جائے گی، اور اس قیمت کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا جس پر شروع میں انہیں خریدا گیا تھا، خواہ بوقت زکاۃ ان کی قیمت (مارکیٹ ویلیو) بڑھ گئی ہو یا قیمتِ خرید سے بھی کم ہوگئی ہو!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب : ۴

تہذیب وتمدُّن

(اور معاشرتی مسائل)

- والدین کے حکم پر بیوی کو طلاق دینے کی شرعی حیثیت
- زنا کے مرتکب افراد کے باہمی نکاح کی شرعی حیثیت
- عرب وعجم کے ممتاز اہل علم کی آراء اور فتاوی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فصل: ۱

والدین کے حکم پر بیوی کو طلاق دینے کی شرعی حیثیت

یہ بات تو واضح ہے کہ معقول عذر کے بغیر خاوند کا بیوی کو طلاق دینا یا بیوی کا خاوند سے بلاوجہ طلاق طلب کرنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے بلکہ بعض روایات میں اس فعل پر جنت سے محرومی کی وعید بھی مذکور ہے اور اسی وجہ سے اہل علم نے اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔(۱)

لیکن اگر والدین اپنی اولاد خواہ بیٹا ہو یا بیٹی، کو طلاق پر مجبور کریں تو اس سلسلے میں کیا کیا جائے؟ آیا والدین کی اطاعت جس کی بڑی تاکید ہے، کے پیش نظر ان کا مطالبہ پورا کیا جائے یا طلاق کی کراہت کے پیش نظر ان کا مطالبہ رد کر دیا جائے؟

اس مسئلے میں بلکہ اس نوعیت کے ہر مسئلے میں یہ دیکھا جائے گا کہ والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری میں کہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تو لازم نہیں آ رہی؟ اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آ رہی ہو تو پھر والدین کی بات نہیں مانی جائے گی کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"لاطاعة لمخلوق فی معصیة الله "(۲)

"جس کام میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو اس میں مخلوق کی بات نہیں مانی جائے گی۔"

یہ گویا ایک ضابطہ ہے اور اس کی تائید بے شمار دیگر روایات سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً آنحضرتؐ نے فرمایا:

(۱) [دیکھیے: "الزواجر" لابن حجر هیثمیؒ: (ج ۲ ص ۱۰۰/۱)]

(۲) [مسند احمد (۶۶/۵)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" إنما الطاعة في المعروف "(۱)

''اطاعت صرف معروف (یعنی نیکی کے) کاموں میں ہوگی۔''

علاوہ ازیں قرآن مجید کی اس آیت سے بھی اس کی تقویت ہوتی ہے کہ

﴿ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ﴾ [لقمان:۱۵]

''اگر وہ دونوں (یعنی والدین) تم پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تم میرے ساتھ (کسی کو) شریک بناؤ جس کا تمہیں علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ مانو، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ حسن سلوک سے رہو۔''

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اگر والدین کفر و شرک کا حکم دیں تو ان کا حکم ایسی صورت میں بالخصوص نہیں مانا جائے گا اور اسی آیت پر قیاس کرتے ہوئے ان کا حکم اس وقت بھی نہیں مانا جائے گا جب وہ بالعموم اللہ تعالیٰ کی کسی بھی نافرمانی کا حکم دیں۔

طلاق کے مسئلے میں چونکہ شرعی ضابطہ یہ ہے کہ کسی معقول عذر کے بغیر طلاق دینا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اور یہ کام باعث گناہ ہے۔ البتہ معقول عذر کی بنا پر طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے دیکھا یہ جائے گا کہ والدین کا مطالبہ کسی معقول عذر پر مبنی ہے یا محض ضد اور عناد پر۔ اگر تو ان کا مطالبہ واقعی معقول عذر پر مبنی ہے تو پھر بلاتأمل ان کی اطاعت کرتے ہوئے ان کا مطالبہ پورا کیا جائے لیکن اگر اس کے برعکس ان کا مطالبہ کسی معقول عذر پر مبنی نہ ہو تو پھر اسے پورا کرنا ضروری نہیں اور ایسے کئی واقعات سامنے آتے رہتے ہیں کہ بسا اوقات والدین محض نفس پرستی کی خاطر باعمل و نیک سیرت بہو کو طلاق دلوانے پر اصرار کرتے ہیں جب کہ اس کے برعکس بعض اوقات والدین کا مطالبہ مبنی بر خلوص بھی ہوتا ہے۔

---

(۱) [صحیح بخاری: کتاب الاحکام: باب السمع والطاعة للامام ---رقم الحدیث (۷۱٤٥) صحیح مسلم (۱۸٤۰)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یاد رہے کہ وہ چند روایات جن میں والدین کے حکم پر طلاق دے دینے کا ذکر ہے وہ مذکورہ بیان کردہ ضابطے کے حق میں ہیں اس کے خلاف ہرگز نہیں مثلاً

۱۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو ملنے کے لیے مکہ گئے، مگر وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان کی بیوی سے پوچھا کہ تمہاری زندگی کیسی گزر رہی ہے؟ تو اس نے (بجائے اس کے کہ صبر وشکر کا اظہار کرتی) کہا کہ

﴿ نَحْنُ بِشَرٍّ ، نَحْنُ فِي ضِيقٍ وَشِدَّةٍ ، فَشَكَتْ إِلَيْهِ ﴾

''ہمارا تو بہت برا حال ہے، ہم تو بڑی تنگ دستی اور مصیبت میں مبتلا ہیں۔''

گویا خوب شکوہ وشکایت کی، اس پر حضرت ابراہیمؑ نے کہا:

''اچھا جب تمہارا خاوند آئے تو اسے میری طرف سے سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل لو۔''

جب حضرت اسماعیلؑ گھر آئے تو ان کی بیوی نے انہیں حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں بتایا تو حضرت اسماعیلؑ فرمانے لگے کہ وہ میرے والد تھے اور مجھے یہ وصیت کر گئے ہیں کہ میں تمہیں طلاق دے دوں چنانچہ انہوں نے اس عورت کو طلاق دے دی۔ (۱)

روایت کے سیاق وسباق ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے طلاق کی وصیت کیوں کی؟ اس لیے کہ آپ مہمان کی حیثیت سے ان کے ہاں گئے اور اس عورت نے خاطر تواضع کرنے کی بجائے اپنا دکھڑا سنانا شروع کر دیا جو حضرت ابراہیمؑ کو پسند نہ آیا کہ ایک نبی کی بیوی اور ایک نبی کی بہو ہو کر بجائے صبر وشکر کے جزع وفزع اور شکوہ وشکایت کی روش اختیار کرے اور انہوں نے ایسی بدسلیقہ عورت کو اپنے گھرانے کے لائق نہ سمجھتے ہوئے بیٹے سے طلاق کا عندیا ظاہر کیا جو بیٹے نے فوراً پورا کر دیا۔ پھر اس کی مزید تائید اسی حدیث کے اگلے الفاظ سے بھی بخوبی ہوتی ہے جس میں ہے کہ ایک عرصہ کے بعد پھر حضرت ابراہیم اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو ملنے گئے اب کی بار بھی وہ

(۱) [بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب ۹ حدیث : (۳۳٦٤)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گھر پہ نہ ملے۔ البتہ ان کی نئی بیوی سے ملاقات ہوئی تو حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا کہ گزر بسر کیسی ہو رہی ہے؟ اس پر اس عورت نے کہا کہ

"نَحْنُ بِخَيْرٍ وَسَعَةٍ وَأَثْنَتْ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ"

''ہم خیر و عافیت کے ساتھ ہیں، بہت خوشحال ہیں اور اس پر اللہ کی حمد اور شکر ادا کیا۔''

صحیح بخاری ہی کی اگلی روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے اس عورت نے کہا:

"أَلَا تَنْزِلُ فَتَطْعَمَ وَتَشْرَبَ؟"

''آپ تشریف رکھیں، میں آپ کے لیے کھانے پینے کا بندوبست کرتی ہوں۔''

حضرت ابراہیمؑ نے انہیں خیر و برکت کی دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ

''جب تیرا شوہر واپس آئے تو اسے میری طرف سے سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ قائم رکھے۔''

جب حضرت اسماعیلؑ واپس آئے تو ان کی اس بیوی نے کہا کہ ہمارے ہاں ایک اچھے بزرگ آئے تھے اور اس نے ابراہیمؑ کی خوب تعریف کی۔ پھر اسماعیلؑ سے کہا کہ وہ آپ کے لیے یہ وصیت کر گئے ہیں کہ آپ اپنے دروازے کی چوکھٹ سلامت رکھیے۔ اس پر حضرت اسماعیلؑ نے کہا کہ وہ میرے والد تھے اور مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں نکاح میں برقرار رکھوں''۔

اب اس روایت کو جس انداز سے بھی دیکھ لیں آپ کو یہی معلوم ہوگا کہ طلاق دینے یا نہ دینے کو معقول عذر کے ساتھ مربوط کیا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے پہلی مرتبہ اپنے بیٹے کو اگر بیوی کو طلاق دینے کی وصیت کی تھی تو اس کی معقول وجہ تھی اور وہ یہ تھی کہ وہ عورت بدسلیقہ، بے صبر اور ایک نبی کے شایان شان ہرگز نہ تھی جب کہ حضرت اسماعیلؑ کی دوسری بیوی میں اس کے برعکس انتہائی اچھی صفات تھیں جن کے پیش نظر ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو یہ وصیت کی کہ اسے نکاح میں برقرار رکھنا اور اس کا صاف مفہوم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہی ہے کہ یہ عورت تیرے شایان شان ہے کہیں اسے طلاق نہ دے ڈالنا۔ گویا آپ ایسی نیک سیرت بیوی کو طلاق دینے سے بھی پیشگی منع کر رہے ہیں کیونکہ اسے طلاق دینے کی کوئی وجہ ہی نہیں۔ لیکن اگر اس کے برعکس کوئی والد کسی نیک سیرت اور سلیقہ شعار بہو کو طلاق دینے پر مصر ہو اور اس پر حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ بطور دلیل پیش کرنا شروع کر دے تو یہ **کلمة حق أريد بها الباطل** (سچی اور صحیح بات پیش کر کے اس کا غلط مفہوم مراد لینے) کے مصداق ایک درست اور مبنی برحق بات کا غلط استعمال ہوگا!

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ والدین اگر بیٹے کو طلاق پر مجبور کریں اور ان کا مطالبہ کسی معقول وجہ پر مبنی ہو، اور وہ خلوص اور طرفین کی بہتری کی نیت کے ساتھ ایسا کریں (جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے کیا) تو ایسی صورت میں ان کا مطالبہ تسلیم کرنا ہوگا۔ لیکن اگر ان کا مطالبہ معقول عذر پر مبنی نہ ہو تو اسی روایت کے بموجب ان کا مطالبہ تسلیم نہیں کیا جائے گا کیونکہ نیک سیرت و باعمل بہو کو اگر بیٹا خود ہی بلاوجہ طلاق دے رہا ہو تو والدین پر فرض ہے کہ اسے اس فعل سے روکیں چہ جائیکہ وہ خود ہی بیٹے کو طلاق دینے پر آمادہ کرنا شروع کر دیں!

۲۔ اس سلسلے کی دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ

" كانت تحتي امرأة وكنت احبها وكان عمر يكرهها فقال لي طلقها فابيت فاتى عمرؓ النبيؐ فذكر ذلك له فقال النبيؐ (يا عبدالله) طلقها" (۱)

"میری ایک بیوی تھی جس سے میں محبت کرتا تھا جب کہ (میرے والد) حضرت عمرؓ اسے ناپسند کرتے تھے۔ پس انہوں نے مجھے کہا کہ اس عورت کو طلاق دے دو لیکن میں نے انکار کر دیا۔ چنانچہ عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا (اے عبداللہ!) اس عورت کو طلاق دے دو۔"

(۱) [ابوداؤد: كتاب الآداب: باب برالوالدين (۵۱۲۹) ترمذی (۱۱۸۹) ابن ماجه (۲۰۸۹) ابن حبان (۴۲۶) حاكم (۲/ ۱۹۷) احمد (۲/ ۲۰۔ ۴۲) شرح السنة (۲۳۴۸)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واضح رہے کہ مذکورہ (محولہ) کتب میں مروی بعض احادیث میں ہے کہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس عورت کو پھر طلاق دے دی۔ اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے ابن عمرؓ سے فرمایا کہ

"اطع اباک" (اس مسئلہ میں) اپنے والد کی بات مانو۔ (۱)

اس روایت سے بھی بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ والدین اگر طلاق کا مطالبہ کریں تو بیٹے کو بلا تامل ان کا مطالبہ پورا کرنا چاہیے قطع نظر اس سے کہ وہ مطالبہ معقول وجہ و عذر پر مبنی ہے یا نہیں۔ حالانکہ یہ بات اول تو مخلوق اور خالق کی اطاعت کے ٹکراؤ کی صورت میں خالق کی اطاعت کو ترجیح دینے کے ضابطے کے خلاف ہے۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا مطالبہ معقول عذر پر مبنی تھا جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اللہ کے رسولؐ سے عرض کیا:

"ان عندعبدالله بن عمر امرأة قد كرهتهاله" (۲)

"بلاشبہ عبداللہ بن عمرؓ نے ایسی عورت سے نکاح کر رکھا ہے جسے میں عبداللہ کے لیے فی الواقع مکروہ خیال کرتا ہوں۔"

اس روایت میں "كرهتهاله" کے الفاظ اس کی تائید ضرور کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اس عورت کو ابن عمرؓ کے دینی و دنیوی امور کے لیے باعث خطرہ خیال کرتے تھے اور یہ ایک معقول وجہ تھی جس کی بنا پر اللہ کے رسولؐ نے حضرت عمرؓ کی حمایت کرتے ہوئے عبداللہ بن عمر کو طلاق دینے کا حکم دیا۔ واضح رہے کہ مسئلہ مذکور میں حضرت عمرؓ کے مطالبہ کو معقول عذر کے ساتھ مربوط کرنے کا نکتہ محض راقم ہی کا بیان کردہ نہیں بلکہ کئی ایک فقہا عرصہ قبل اس کی طرف اشارہ فرما چکے ہیں۔ مثلاً: احمد عبدالرحمن البناؒ فرماتے ہیں:

"الظاهر ان عمرؓ ما كرهها الالكونه راى انها غير صالحة لابنه و غرضه بذلك المصلحة لاسيما وقد كان من الملهمين"

(۱) [مثلاً دیکھیے: مسنداحمد (ص ۲۰ ج ۲)]

(۲) [مسند احمد (ص ۴۲ ج ۲)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کو یہ عورت اس وجہ سے ناپسند تھی کہ ان کے نزدیک وہ آپ کے صاحبزادے کے لیے موزوں نہ تھی اور اس معاملہ میں حضرت عمرؓ کے پیش نظر ضرور کوئی مصلحت ہوگی بالخصوص اس لیے کہ آپ الہام ربانی کے حامل تھے۔''

نیز فرماتے ہیں کہ

''الذی یظهر ان النبیؐ لم یأمر عبدالله بطلاق امرأته الا لکونه رأی صحة نظر عمرؓ''

''اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نبی اکرمؐ نے حضرت عبداللہ کو اسی لیے طلاق دینے کا حکم دیا تھا کہ آنحضرتؐ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت عمرؓ کا خیال صحیح ہوگا۔''(۱)

اسی طرح شیخ **ابوالحسن محمد بن عبدالهادی سندھیؒ** اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ

'' فیه ان طاعة الوالدین متقدمة علی هوی النفس اذا کان امرهما اوفق بالدین اذ الظاهر ان عمرؓ ما کان یکرهها ولا امرابنه بطلاقها الالما یظهرله فیها من قلة الدین''(۲)

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ والدین کی اطاعت خواہش نفس پر ترجیح رکھتی ہے لیکن اس وقت کہ جب والدین کا حکم دین سے موافقت رکھتا ہو اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کا اس عورت کو ناپسند کرنا اور اپنے بیٹے کو اسے طلاق دینے کا حکم دینا صرف اس وجہ سے تھا کہ اس عورت کے دین وایمان کی کمزوری آپ کے لیے ظاہر ہو چکی تھی۔''

---

(۱) [الفتح الربانی (ص ٤ ج ١٧)]

(۲) [مسند احمد ،محقق (ج ٨ ص ٣٣٣)واضح رہے کہ مسند احمد کے اس نسخہ کی تخریج وتحقیق کی خدمت شیخ عبداللہ محسن الترکی کی زیرنگرانی علما کی ایک ٹیم نے انجام دی ہے جب کہ حواشی میں شیخ محمد بن عبدالہادیؒ کی شرح سے استفادہ کیا گیا ہے۔اور اس نسخہ کی ضخامت ۵۰ جلدوں میں ہے۔]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملا علی قاریؒ کا موقف

اس مسئلہ میں ملا علی قاریؒ کا موقف یہ ہے کہ

''بیٹے پر لازم نہیں کہ والدین کے حکم پر اپنی بیوی کو طلاق دے اگر چہ والدین کو اس کی بیوی (اور اپنی بہو) سے شدید تکلیف ہی کیوں نہ پہنچ رہی ہو۔ کیونکہ والدین کا کہا ماننے میں بسا اوقات خاوند کو ضرر پہنچتا ہے اس لیے والدین کی خاطر اسے طلاق کا پابند نہیں بنایا جاسکتا۔ والدین کی شفقت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر وہ اس ضرر کا پوری طرح اندازہ کر لیتے تو وہ بیٹے کو طلاق کا حکم نہ دیتے۔ اس کے باوجود ان کا طلاق پر اصرار کرنا، نادانی ہے جو قابل التفات نہیں۔''(۱)

ہمارے خیال میں موصوف علی قاریؒ کی مذکورہ رائے درست نہیں بلکہ موصوف اس مسئلہ میں دوسری انتہا کو پہنچ گئے ہیں کہ کسی بھی صورت والدین کے کہنے پر عورت کو طلاق نہ دی جائے حالانکہ اگر والدین کا حکم معقول علت و مصلحت پر مبنی ہو تو پھر اطاعت بہر حال کی جائے گی بصورت دیگر نہیں۔

علامہ قاضی ابن العربیؒ اور امام منذریؒ کا صحیح فیصلہ

اس مسئلہ میں قاضی ابن العربیؒ اور امام منذریؒ نے صحیح راہنمائی فرمائی ہے چنانچہ ابن العربیؒ سنن ترمذی کی مذکورہ حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ

" ومن برالابن بابیه ان یکره ماکره ابوه وان کان له محبا قبل ویحب مایحب اباه وان کان له کره من قبل بید ان ذلک ان کان الاب علی بصیرة فان لم یکن کذلک استحب له فراقها لا رضائه ولم یجب علیه کم یجب فی الحالة الاولی فان طاعة الاب فی الحق من طاعة الله"(۲)

(۱) [مرقاة شرح مشکاة: کتاب الایمان :باب الکبائر (ج ۱، ص ۱۳۲)]

(۲) [عارضة الاحوذی،لابن العربیؒ (ص ۱٦٤ ج ٥)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''بیٹے کے لیے اپنے والد سے نیکی اور حسن سلوک کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کو والد ناپسند کرتا ہے اسے وہ بھی ناپسند کرے اگرچہ پہلے وہ اس سے محبت کرتا ہو۔ اسی طرح وہ اس چیز سے محبت شروع کر دے جس سے اس کا والد محبت کرتا ہے اگرچہ اس سے پہلے وہ اس سے بغض رکھتا ہو۔ البتہ یہ بات یاد رہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب والد بصیرت و درستگی پر ہو لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر والد کو راضی کرنے کے لیے بیوی کو طلاق دینا مستحب تو ہو سکتا ہے مگر اس طرح واجب ہرگز نہیں جس طرح کہ پہلی حالت (والد کے اصابت رائے) میں واجب ہے۔ کیونکہ والد کے حق پر ہونے کی صورت میں اس کی اطاعت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے زمرے میں شامل ہے۔''

امام منذریؒ نے بھی سنن ابوداؤد کی تہذیب وشرح میں من وعن یہی فیصلہ دیا ہے۔ (۱)

اور راقم الحروف نے بھی آغاز میں اسی ملخص کو ضابطے اور اصول کی شکل میں پیش کر کے اپنی بحث کی بنیاد رکھی ہے کہ والدین کا مطالبہ اگر معقول عذر پر مبنی ہو تو پھر بہر صورت اسے ترجیح دی جائے گی۔ بصورت دیگر اس مطالبہ کو پورا کرنا ضروری نہیں۔

واللہ اعلم بالصواب!

(۱) [ملاحظہ ہو: تہذیب سنن ابی داؤد (ج ۸ ص ۳۵)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فصل : ۲

معروف علماء کے فتاوی

سعودی عرب کے مفتی محمد صالح العثیمینؒ کا فتوی

موصوف سے سوال کیا گیا کہ اگر والد اپنے بیٹے سے یہ مطالبہ کرے کہ تم اپنی بیوی کو میرے حکم پر طلاق دے دو تو کیا بیٹے کو والد کا حکم مانتے ہوئے اپنی بیوی کو طلاق دینا ہوگی؟

موصوف نے اس سوال کو جو جواب دیا وہ درج ذیل ہے:

''اگر والد اپنے بیٹے سے یہ مطالبہ کرے کہ تم اپنی بیوی کو میرے حکم پر طلاق دے دو تو اس مطالبے کی دو صورتیں ہوں گی:

ایک تو یہ کہ والد اپنے اس مطالبہ کا شرعی سبب بتائے مثلاً وہ بیٹے سے یہ کہے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو کیونکہ تمہاری بیوی کی اخلاقی حیثیت مشکوک ہے.....وہ اجنبی مردوں کے ساتھ تعلقات رکھتی ہے .....وہ مخلوط مجالس میں شرکت کرتی ہے.....وغیرہ وغیرہ، تو بیٹے کو اپنے والد کا یہ مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے ایسی عورت کو طلاق دے دینی چاہیے۔ کیونکہ اس کے والد کا یہ مطالبہ خواہش نفس اور خود غرضی وغیرہ پر مبنی نہیں بلکہ وہ بیٹے کی بہتری چاہتے ہوئے یہ مطالبہ کر رہا ہے، لہذا بیٹے کو بھی اس خیر خواہی کو قبول کرنا چاہیے۔

دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ بیٹے کو اپنی بیوی سے بڑی محبت ہو اور والد اس محبت پر غیرت کھاتا ہو بلکہ ماؤں کے لئے تو ایسی صورت برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کا بیٹا اپنی بیوی سے بے حد محبت کرتا ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ ساس اور بہو میں عموماً چپقلش پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حالت سے اپنی پناہ میں رکھے، لہذا اگر ایسی کوئی صورت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو تو بیٹے کے لئے اپنے والدین کی اطاعت کرنا اور بیوی کو طلاق دینا لازم نہیں ہے۔ تاہم اسے یہ کوشش کرتے رہنا چاہئے کہ والدین سے حسن سلوک رکھے حتی کہ اپنی بیوی کی موجودگی پر انہیں بھی راضی و مطمئن کر لے۔ بالخصوص اس صورت میں جب کہ اس کی بیوی بھی دیندار اور نیک اخلاق ہو۔

امام احمد بن حنبلؒ سے ایک آدمی نے بالکل اسی نوعیت کا سوال کیا کہ میرے والد مجھے کہتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں؟ تو امام موصوفؒ نے جواب دیا کہ طلاق نہ دو۔ اس آدمی نے کہا کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کو یہ حکم دیا تھا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو اور وہ نہ مانے اور بعد میں اللہ کے رسولؐ نے بھی حضرت عمرؓ کی تائید کی اور ابن عمرؓ کو طلاق دینا پڑی؟ تو امام احمدؒ اس کے اس اعتراض پر فرماتے ہیں کہ کیا تمہارا باپ اسی حیثیت کا حامل ہے جس حیثیت کے حامل جناب عمرؓ تھے!..... واضح رہے کہ حضرت عمرؓ سے متعلقہ اس روایت کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی شرعی مصلحت کے پیش نظر ایسا مطالبہ کیا تھا۔"[1]

اہلحدیث علماء کی آراء

بعض اہلحدیث علماء نے اس مسئلہ میں حدیث کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر یہ جواب دیا ہے کہ والدین کے مطالبے پر بیٹے پر فرض ہے کہ وہ بیوی کو طلاق دے دے، قطع نظر اس سے کہ والدین کا حکم کسی شرعی عذر پر مبنی ہے یا ذاتی خواہشات پر! یہی فتوی حافظ ثناء اللہ مدنی صاحب نے ہفت روزہ 'الاعتصام' میں ایک سائل کے استفتاء پر دیا ہے اور یہی فتوی حافظ عبدالمنان نورپوری صاحب کا ہے[2]۔

(۱) [فتاوی المرأة المسلمة (۲/۷۵۵،۷۵٦) مرتب: ابو محمد اشرف بن عبد المقصود]

(۲) [دیکھئے: احکام و مسائل، از مولانا نورپوریؒ (ج۱/ص۳٤۲)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس مسئلہ میں راقم الحروف کا موقف کیا ہے، اسے گزشتہ فصل میں بالتفصیل بیان کردیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ راقم کا یہ موقف مضمون کی شکل میں ہفت روزہ 'الاعتصام' ہی میں کچھ ماہ پیشتر شائع ہو چکا ہے۔ اور اس پر مذکورہ بالا اہل علم کی طرف سے کوئی تردید بھی سامنے نہیں آئی۔

حنفی علماء کی آراء

(۱) جسٹس ملک غلام علیؒ

مولانا مودودیؒ کی زندگی میں جماعت اسلامی سے اس موضوع پر سوال کیا گیا، تو مولانا غلام علیؒ صاحب جو مودودیؒ کے شاگرد اور قلمی معاون تھے، انہوں نے اس کا جواب دیا، جو مودودی صاحبؒ کی زندگی ہی میں ان کے رسالہ ترجمان القرآن میں شائع ہوا۔ افادہ کے لئے اسے قارئین کے حضور پیش کیا جارہا ہے:

''جو افعال خدا اور رسول ﷺ کے نزدیک ممنوع یا مذموم ہیں ان میں کسی کی اطاعت جائز نہیں، بقیہ امور میں والدین کی اطاعت جائز و مستحسن، بلکہ اکثر حالات میں لازم ہے۔ جہاں تک باپ کے کہنے پر بیوی کو طلاق دینے کا سوال ہے، اس کا جواب بھی یہی ہے کہ بیٹا صرف اسی صورت میں طلاق دے، جب کہ والد کا حکم کسی مصلحت شرعی پر مبنی ہو، ورنہ ناحق طلاق خدا کی نگاہ میں بہر حال ناپسندیدہ اور مبغوض ہے۔

دراصل یہ مسئلہ آغاز میں اس طرح پیدا ہوا تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے سے کہا تھا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو اور انہوں نے تعمیلِ ارشاد کرتے ہوئے طلاق دے دی تھی، مگر ظاہر ہے کہ ہر باپ حضرت عمرؓ کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمرؓ ایک جلیل القدر صحابیٔ رسول اور صاحب اتقاء انسان تھے، ان کی پاکیزہ زندگی اور بے مثال سیرت کو سامنے رکھتے ہوئے ان سے بجا طور پر یہی توقع کی جاسکتی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ انہوں نے اس خواہش کا اظہار کسی معقول علت اور دینی مصلحت ہی کے تحت کیا ہوگا جس کی وضاحت مناسب یا ضروری نہ ہوگی اور حضرت عمرؓ نے اسی اعتماد کی بنا پر آپ کا کہا مان لیا ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے وجہ بیان کر دی ہو مگر وہ آگے نقل ہونے سے رہ گئی ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک باپ جب چاہے، اپنے بیٹے سے بیوی کو طلاق دینے کا مطالبہ کر سکتا ہے اور بیٹے کے لیے اس کی تعمیل کیے بغیر چارہ ہی نہیں ہے!"(۱)

(۲) مولانا گوہر رحمانؒ

سوال: کیا والدین کے حکم پر بیوی کو طلاق دینا واجب ہو جاتا ہے؟ (سائل: روشن غنی از خمیس سعودی عربیہ)

جواب: ایک حدیث میں آیا ہے کہ "والدین تمہیں بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیں تو پھر بھی ان کی اطاعت کرو۔" (ابوداؤد۔ ترمذی) اور مسند احمد میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیا لیکن انہوں نے اپنے والد کی یہ بات نہ مانی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے بیٹے کی شکایت کی تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"یاعبداللہ طلق امراتک"

"اے عبداللہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔"

سنن ترمذی (ابواب البر والصلة) میں ایک اور روایت آئی ہے کہ ایک شخص کو اس کی ماں نے کہا کہ بیوی کو طلاق دے دو۔ اس شخص کو طلاق دینا بھی گوارا نہیں تھا اور

(۱) [ماهنامه 'ترجمان القرآن' دسمبر۱۹۶۶ء بحواله رسائل ومسائل (حصه ششم، صفحه ۱۴۶) واضح رہے کہ موصوف کے اس فتوی پر دوبارہ سوال پیش ہوا اور موصوف نے پھر اس کا تفصیلی جواب دیا جو مذکورہ بالا ضابطہ ہی کی تائید میں تھا۔ اس تفصیلی جواب کے لئے دیکھئے: رسائل ومسائل (حصه ششم، صفحه ۵۴۶ تا ۵۵۱)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماں کی ناراضگی بھی پسند نہیں تھی۔ چنانچہ وہ شخص مشہور صحابی ابو الدرداءؓ کے پاس اپنی یہ مشکل لے کر آئے۔ ابو الدرداءؓ نے فرمایا: میں اس صورتحال میں نہ تمہیں طلاق دینے کا مشورہ دیتا ہوں اور نہ ماں سے قطع تعلقی کا مشورہ دے سکتا ہوں۔ البتہ میں تم کو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سناتا ہوں کہ آپ نے فرمایا:

"الوالد اوسط ابواب الجنة فحافظ ان شئت او ضيع"

''باپ جنت کے درمیانی دروازوں میں سے ہے پس تو اگر چاہے تو اس کو محفوظ کر لے یا اگر چاہے تو اسے ضائع کر دے۔''

حدیث رسول سننے کے بعد اس شخص نے ابو الدرداءؓ کے سامنے ہی طلاق دے دی۔

ان احادیث کا اور اس مضمون کی دوسری احادیث کا تعلق اس صورتحال سے ہے جب بیوی اپنے شوہر کے والدین کی دل آزاری کرتی ہو، یا بدکار اور بدزبان ہو اور اپنی اس بدسلوکی اور بداخلاقی سے وعظ و نصیحت او اصلاح کے دوسرے ذرائع استعمال کرنے کے باوجود باز نہ آتی ہو تو ایسی صورت حال میں والدین کا حکم معروف یعنی بھلائی کا حکم ہے جس کا ماننا ضروری ہے اور ایسا نہ کرنا ''عقوق الوالدین'' ہے جو کبیرہ گناہ ہے۔ انہی احادیث کی روشنی میں فقہاءؒ نے لکھا ہے:

''بل يستحب لو موذية له او لغيره بقولها او بفعلها''

''ایسی صورت میں طلاق دینا مستحب ہے جبکہ بیوی اپنے شوہر کی یا کسی اور کی دل آزاری کرتی ہو، اپنی باتوں کے ذریعے یا اپنے عمل کے ذریعے'' [مجموعہ شامی ج ۳، ص ۵۷۱۔۵۷۲]

لیکن اگر والدین کا یہ حکم اور اصرار، محض ضد اور طبعی منافرت کی وجہ سے ہو، کسی شرعی اور معقول وجہ پر مبنی نہ ہو تو ایسی صورت میں والدین کے کہنے پر طلاق دینا واجب نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

"ابغض الحلال الى الله الطلاق"(ابو داؤد شريف)

''مباح کاموں میں سے اللہ کے نزدیک مبغوض ترین (ناپسندیدہ ترین) کام بیوی کو طلاق دینا ہے۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ناپسندیدہ کام میں والدین کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ **انما الطاعة فی المعروف** یعنی ''اطاعت بھلائی کے کاموں ہی میں کی جاسکتی ہے''۔

ظاہر ہے کہ بغیر کسی شرعی اور معقول وجہ کے صرف ضد، تعنت اور طبعی منافرت کی بنا پر طلاق کا حکم دینا بھلائی (معروف) کا حکم نہیں ہے بلکہ ''مبغوض الی اللہ'' یعنی ناپسندیدہ فعل کا حکم ہے جس کی اطاعت جائز ہی نہیں ہے چہ جائیکہ واجب ہو۔ امراء، والدین اور دوسرے بزرگوں کی اطاعت معروف ہی میں کی جاسکتی ہے، غیر معروف میں نہیں کی جاسکتی۔ (گوہر رحمان ۱۹ اپریل ۱۹۹۰ء)[1]

(۱) [تفہیم المسائل، از مولانا گوہر رحمانؒ (جلد ۱ ص ۳۶۸ تا ۳۷۰)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فصل : ۳

زنا کے مرتکب مرد وزن کے باہمی نکاح کی شرعی حیثیت

جنسی بے راہ روی کی وجہ سے کئی مرتبہ ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ لڑکا اور لڑکی باہمی دوستی کے بعد فعل زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور پھر وہ آپس میں نکاح کی بھی شدید خواہش رکھتے ہیں یا بعض دفعہ والدین، ذلت ورسوائی سے بچنے کے لیے ان کا فوری نکاح کردینے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں بالخصوص جب لڑکی فعل زنا سے حاملہ بھی ہو چکی ہو تو پھر زانی لڑکے ہی سے جیسے بھی ممکن ہوتا ہے نکاح کردیا جاتا ہے۔اس سلسلے میں چند متعلقہ مسائل کی شرعی حیثیت ذیل میں واضح کی جاتی ہے:

۱۔زنا کے بارے میں شرعی حکم

۲۔زانی مرد وزن کے نکاح کی شرعی حیثیت

۳۔حالت حمل میں مزنیہ کے نکاح کی شرعی حیثیت

۴۔زانیہ عورت یا زانی مرد سے کسی دوسرے (پاکدامن) کے نکاح کی شرعی حیثیت

۱۔زنا کے بارے میں شرعی حکم

شریعت نے زنا کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے اور زنا کے مرتکب افراد پر باقاعدہ حد (سزا) مقرر کی ہے بشرطیکہ جرم عدالت تک پہنچ کر چار عینی گواہوں کی شہادت یا مجرم کے اعتراف سے ثابت ہو چکا ہو۔اس سلسلے میں قرآن مجید نے غیر شادی شدہ زانیوں کی سزا سو (۱۰۰) کوڑے مقرر کیے ہیں۔[1] جبکہ غیر شادی شدہ زانی مرد کے لیے ایک

(۱) [دیکھئے: سورۃ النور آیت نمبر ۲]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سال کی جلاوطنی کی سزا اس کے علاوہ ہے۔[1] اور اگر شادی شدہ مرد زن، زنا کا ارتکاب کریں تو ان کی سزا رجم (پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا) ہے[2]۔ البتہ یہ بات یاد رہے کہ اگر عورت زنا سے حاملہ ہو تو وضع حمل سے پہلے اس پر حد نافذ نہیں کی جائے گی۔[3]

۲۔ زانی مرد وزن کے نکاح کی شرعی حیثیت

زنا کے مرتکب مرد وزن کا معاملہ اگر حاکم وقت (عدالت) تک جا پہنچے پھر چار عادل وعینی گواہوں یا مرد وزن کے ذاتی اعتراف پر جرم زنا بھی ثابت ہو جائے تو ان پر شرعی حد نافذ کی جائے گی۔ پھر اس شرعی سزا کے بعد اگر کنوارے مرد وزن آپس میں شادی کرنا چاہیں تو اسلامی طریقے کے مطابق اب یہ شادی کر سکتے ہیں کیونکہ شرعی سزا ان کے جرم کا کفارہ بن چکی ہے جیسا کہ حدیث نبویؐ ہے:

"ومن اصاب من ذلک شیا فعوقب فھو کفارۃ لہ"[4]

''جس شخص نے ان (موجب سزا جرائم) میں سے کسی جرم کا ارتکاب کیا اور پھر اسے اس پر سزا مل گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ بن جائے گا۔''

لہٰذا اب یہ تائب کے حکم میں ہے اور تائب کا نکاح بلاشبہ درست ہے۔[5]

---

(۱) [ملاحظہ ہو: صحیح بخاری: کتاب الحدود: باب الاعترافُ بالزنا(٦٨٢٨)]

(۲) [دیکھئے: بخاری ایضا باب رجم الحبلی فی الزنا(٦٨٣٠)مسلم(١٦٩٨)مسند احمد (٩٥،٩١،٥/٧٦)]

(۳) [ملاحظہ ہو: صحیح مسلم: (١٧٠٥)ابوداؤد (٤٤٤١)ترمذی (١٤٣٦)نسائی (٤/٦٣)بیہقی(٩/٢٢٥) زنا سے متعلقہ مندرجہ بالا احکام کے حوالہ سے جمہور فقہا چونکہ متفق ہیں اس لیے ان کی زیادہ تفصیلات کی بجائے قرآن وسنت کے متعلقہ نصوص کی طرف اشارہ کر دینے ہی پر اکتفا کیا گیا ہے۔]

(٤) [بخاری: کتاب التفسر: باب اذاجاء ك المؤمنات یبایعنك (٤٨٩٤)مسلم (١٧٠٩)]

(٥) [دیکھئے: تفسیر ابن کثیر (٣/٤٢٤)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر زنا کے مرتکب افراد کے اس جرم کا لوگوں کو علم نہ ہو تو ان زانیوں کو چاہئے کہ اپنے جرم کی پردہ پوشی کریں حتیٰ کہ اگر کسی تیسرے شخص کو بھی ان کے جرم کا علم ہو جائے تو اسے بھی چاہئے کہ وہ پردہ پوشی کرے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"لا یستر عبدٌ عبدًا فی الدنیا الاستره الله یوم القیامة"(۱)

''جو شخص دنیا میں کسی شخص کے گناہ پر پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کے گناہوں کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔''

لہذا اس طرح اگر ان کا معاملہ عدالت میں نہ پہنچا ہو یا عدالت میں پہنچنے کے باوجود مطلوبہ گواہیاں پوری نہ ہو پائی ہوں اور نہ ہی مجرموں نے اپنے فعل کا اقرار کیا ہو تو اندریں صورت ان پر شرعی حدّ زنا، نافذ نہیں کی جائے گی۔ باقی رہا ان کے نکاح کا مسئلہ تو اگر دونوں زنا کرنیوالے سچے دل سے توبہ کرلیں تو پھر ان کا باہمی نکاح ہوسکتا ہے کیونکہ حدیث نبویؐ ہے:

"التائب من الذنب کمن لاذنب له"(۲)

''گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس کا کوئی گناہ نہیں۔''

اسی سلسلے میں حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ

''کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ میں ایک عورت سے حرام کاری کرتا رہا ہوں پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس فعل حرام سے توبہ کی توفیق عطا فرمادی اور میں نے ارادہ کیا ہے کہ اب باقاعدہ طور پر اس عورت سے شادی کرلوں مگر لوگوں کا کہنا ہے کہ زانی مرد، زانیہ اور مشرکہ عورت ہی سے نکاح کرتا ہے۔ (تو آپ بتائیں کہ میرا اس عورت سے شادی کرنا درست ہے یا ابھی بھی یہ زنا ہے؟) حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ ایسے نہیں (کہ اسے زنا کہا جائے بلکہ) تو اس عورت سے شادی کرلے اگر اس شادی میں کوئی گناہ ہوا تو وہ مجھ پر ہوگا۔''(۳)

(۱) [مسلم :کتاب البر والصلة:باب بشارة من ستر الله تعالیٰ فی الدنیا۔۔۔(۲۵۹۰)]

(۲) [ابن ماجه کتاب الزهد:باب ذکرالتوبة (۴۲۵۰)] (۳) [تفسیرابن کثیر(۳/۴۲۴)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معلوم ہوا کہ سچی توبہ کے بعد زنا کے مرتکب مرد وزن کا آپس میں نکاح ہوسکتا ہے۔علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رہے کہ مذکورہ واقعہ میں زانی کے اقرار جرم کے باجود عبداللہ بن عباسؓ نے اسے شرعی سزا دلوانا اس لیے مناسب نہ سمجھا کہ آپ حاکم وقاضی نہ تھے۔ اس لیے آپ نے اس کے جرم پر پردہ پوشی فرمائی لیکن اگر ایسا جرم حاکم وقت یا عدالت میں پہنچ جائے تو پھر اس کی مکمل انکوائری ہوگی اور ثبوت جرم کے بعد شرعی سزا یا عدم ثبوت کی صورت میں الزام لگانے والوں پر تہمت کی سزا جاری کی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ کے پاس کوئی ایسا معاملہ پہنچتا تو وہ بحیثیت خلیفہ زانیوں کو شرعی سزا دیتے جیسا کہ قاضی ابوبکر ابن العربیؒ اور امام قرطبیؒ وغیرہ نے اپنی تفسیروں میں سورۃ النور کے ضمن میں اس کی مثالیں ذکر کی ہیں اور یہی مثالیں مع اسناد مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق اور بیہقی کی السنن الکبری میں بھی موجود ہیں۔

۳۔حالت حمل میں نکاح کی شرعی حیثیت

تیسری بات یہ تھی کہ زنا کی وجہ سے اگر لڑکی حاملہ ہوجاتی ہے تو اس کے اولیا ذلت سے بچنے کے لیے حالت حمل ہی میں اسکا نکاح کردیتے ہیں۔ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ زانیہ حاملہ سے زانی کا نکاح شرعی طور پر کیا حیثیت رکھتا ہے؟

فقہائے مالکیہ، حنابلہ اور فقہائے حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کا موقف یہ ہے کہ ایسی عورت کا نکاح خواہ اسی زانی سے کیا جائے یا کسی اور سے، یہ اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ وضع حمل نہ ہوجائے۔ان کے موقف کی ایک دلیل تو یہ حدیث ہے کہ

"لا توطا حامل حتی تضع"(۱)

''کسی بھی حاملہ سے وطی (ہمبستری) جائز نہیں تاوقتیکہ وضع حمل ہوجائے۔''

ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ

(۱) [ابوداؤد: کتاب النکاح: (۲۱۵۷) حاکم (۲/۱۹۵) بیہقی (۷/۴۴۹)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''ایک آدمی نے کسی عورت سے شادی کی اور بوقت خلوت معلوم ہوا کہ یہ تو حاملہ ہے۔ چنانچہ اس نے یہ معاملہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے پیش فرمایا تو آپؐ نے ان کے درمیان جدائی کرادی۔''(۱)

فقہائے شافعیہ اور حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ زنا سے حاملہ ہونیوالی عورت کا حالت حمل میں نکاح جائز ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ روایات میں جس حاملہ سے نکاح (ہمبستری) کی ممانعت ہے اس سے مراد وہ حاملہ عورت ہے جو باقاعدہ نکاح سے حاملہ ہوئی ہو اور اس سے پیدا ہونیوالے بچے کا نسب باقاعدہ طور پر صحیح اور محفوظ ہو۔ لیکن زنا سے حاملہ ہونیوالی عورت کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے:

''الولد للفراش وللعاهر الحجر''(۲)

''بچہ اس کی طرف منسوب ہوگا جس کے بستر پر پیدا ہوا ہے اور زانی کے لیے پتھر (حدِ رجم کی سزا) ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زانی کے نطفے کی کوئی حیثیت نہیں۔ لہذا زنا سے حاملہ ہونیوالی عورت حالت حمل میں نکاح کرواسکتی ہے۔(۳)

راجح موقف!

اس مسئلہ میں ہمیں راجح موقف وہی معلوم ہوتا ہے جو شوافع اور احناف نے اختیار

---

(۱) [بیهقی (۷/۱۵۷)سنن سعید بن منصور (۱/۱۷۶)اس کی سند میں ابن جریج مدلس راوی ہے جو عنعنہ کے ساتھ بیان کررہا ہے اس لیے یہ روایت ضعیف ہے اس کے علاوہ بھی اس میں بعض علتیں ہیں۔]

(۲) [بخاری : کتاب البیوع، باب تفسیر المشبهات:(۲۰۵۳)مسلم]

(۳) [فقہا کے اس مسئلہ میں اختلافی اقوال اور مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع (ج۳/ص۱۹۲،۱۹۳)حاشیة الدسوقی علی الشرح الکبیر(۴۷۱/۲)المغنی لابن قدامه (۶۰۱/۶تا ۶۰۳)مغنی المحتاج (۳۸۴/۳)جواهر الاکلیل (۳۸۶/۱)روضة الطالبین (۳۷۵/۸)کشاف القناع (۸۲/۵)سبل السلام (۲۰۷/۳)شرح السنة للبغوی (۲۹۰/۹)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے البتہ ہم اس میں چند حدود کا اضافہ ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ زنا سے حاملہ ہونیوالی لڑکی کا نکاح اگر حالت حمل میں کرنا مقصود ہو تو پھر اسی زانی سے کیا جائے گا جس کے نطفے سے یہ حاملہ ہوئی ہے کسی اور شخص سے اس حالت میں نکاح نہیں کیا جائے گا۔ (اس کی دلیل ہم آگے بیان کر رہے ہیں)

۲۔ علاوہ ازیں اس نکاح سے پہلے زانی اور زانیہ کا سچی توبہ کرنا ضروری ہے۔

۳۔ اور اگر یہ معاملہ حاکم وقت (عدالت) تک پہنچ چکا ہو تو پھر جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں پہلے شرعی حد نافذ ہوگی پھر نکاح پر غور کیا جائیگا۔ اور شرعی حد لگنے کی صورت میں اگر عورت حاملہ ہے تو اس وضع حمل کے بعد سزا دی جائے گی۔ اور اس کے بعد ان کے باہمی نکاح پر غور کیا جائے گا۔

مزید دلائل کی ترتیب وتہذیب

زنا سے حاملہ ہونیوالی لڑکی اگر توبہ کر چکی ہو اور معاملہ عدالت تک نہ پہنچا ہو تو پھر اس زانی سے اس کا نکاح حالت حمل ہی میں جائز ہے کہ جس کے نطفے سے یہ حاملہ ہوئی ہے۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ ایسے نکاح کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔ رہی وہ روایات جن میں حاملہ سے وضع حمل سے پہلے نکاح وہمبستری کرنے کی ممانعت ہے تو اس سے مراد وہ حاملہ عورتیں ہیں جو باقاعدہ نکاح سے حاملہ ہو کر عدت گزار رہی ہوں۔ حاملہ کی عدت چونکہ وضع حمل ہے اس لیے وضع حمل سے پہلے اس سے نکاح درست نہیں کیونکہ دوران عدت نکاح کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب اجله" (البقرۃ۔۲۳۵)

"جب تک کہ عدت نہ گزر جائے، تب تک عقد نکاح پختہ نہ کرو"

زنا سے حاملہ ہونے والی نے نہ نکاح کیا تھا نہ اسے طلاق ہوئی ہے۔ اس لیے جمہور فقہا کے نزدیک ایسی عورت پر کوئی عدت نہیں۔ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ زانیہ پر کوئی عدت نہیں، یہی موقف امام ثوری، امام شافعی اور اہل الرائے (حنفیہ) کا ہے۔''(۱)

امام صنعانیؒ رقمطراز ہیں کہ

''جو لوگ زانیہ کے لیے عدت کے وجوب کے قائل ہیں وہ انتہائی قلیل (اقل) ہیں جبکہ اکثریت کا موقف یہ ہے کہ اس پر عدت واجب نہیں''۔(۲)

امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ

''جب کوئی آدمی کسی عورت سے زنا کرے تو اس عورت پر کوئی عدت نہیں۔ کیونکہ عدت تو اس لیے ہوتی ہے کہ آدمی کے نطفے کی حفاظت ہو مگر زانی کے نطفے کا کوئی تحفظ نہیں، کیونکہ اس کے نطفے سے نسب نہیں ہوتا۔ اس لیے ایسی حالت میں بغیر عدت گزارے مزنیہ (جس سے زنا ہوا) کا نکاح جائز ہے۔''(۳)

امام بیہقی کا بھی وہی موقف ہے جسے ہم نے ترجیح دی ہے، چنانچہ موصوف نے اپنی سنن میں باقاعدہ باب رقم کیا ہے کہ

"باب لاعدة على الزانية ومن تزوج امرأة حبلىٰ من زنا لم يفسخ النكاح"(٤)

''اس چیز کا بیان کہ زانیہ پر کوئی عدت نہیں اور جس شخص نے ایسی عورت سے نکاح کیا جو زنا سے حاملہ تھی، اس کا نکاح فسخ نہیں ہوگا۔''

۲۔ حاملہ عورت سے نکاح کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ اس میں غیر کی کھیتی کو پانی پلانے والی بات ہے جیسا کہ جنگ کے موقع پر قیدی عورتوں کے حوالہ سے نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ

---

(۱) [المغنی (ص ٤٥٠ ج٧)۔طبع قدیم]

(۲) [سبل السلام (ص٢٠٧ ج٣)]

(۳) [شرح السنة للبغوی (٢٩٠/٩)]

(٤) [السنن الكبرى :كتاب النكاح (ص ١٥٧ ج ٧)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"لایحل لامرئ یومن باللہ والیوم الآخران یسقی ماء ہ زرع غیرہ یعنی اتیان الحبالیٰ ولایحل لامرئ یومن باللہ والیوم الآخر ان یقع علی امرأۃ من السبی حتی یستبرئھا"(۱)

''اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے کسی شخص کے لائق نہیں کہ وہ اپنے پانی سے غیر کی کھیتی (حمل) کو سیراب کرے''۔۔۔راوی کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ کی مراد یہ تھی کہ غیر سے حاملہ ہونیوالی عورت سے ہمبستری جائز نہیں۔۔۔۔''اور اسی طرح اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے شخص کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ کسی باندی سے استبراءِ رحم سے پہلے جماع کرے۔''

یہ ممانعت اس وقت ہے کہ جب عورت کسی غیر سے حاملہ ہوئی ہو مثلاً اگر شادی شدہ عورت کسی غیر سے زنا کی وجہ سے حاملہ ہوئی ہو تو فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کا خاوند اس سے اس وقت تک جماع نہیں کرسکتا جب تک کہ حمل وضع نہ ہوجائے اسی طرح مذکورہ روایت ہی میں یہ اصول موجود ہے کہ پہلے سے حاملہ باندی سے مالک جماع نہیں کرسکتا تاوقتیکہ وضع حمل ہوجائے۔لیکن اگر وہی زانی اس سے نکاح اور ہمبستری کرنا چاہے کہ جس کے نطفہ سے یہ حاملہ ہوئی تھی تو اس کے لیے مذکورہ روایت میں کوئی ممانعت نہیں کیونکہ اس کے لیے اندریں صورت غیر کی کھیتی کو سیراب کرنے والی علت نہیں بلکہ یہ تو اپنی ہی کھیتی کو سیراب کریگا کیونکہ اسی کے نطفہ سے ہی تو وہ حاملہ ہوئی ہے!

۳۔اگر کوئی شخص حالت حمل میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا وہ اس حالت میں فوت ہوجائے کہ اس کی بیوی کو حمل ٹھہر چکا ہو تو کوئی دوسرا شخص اس عورت سے اس وقت تک نکاح کا مجاز نہیں جب جب تک کہ وضع حمل نہ ہوجائے کیونکہ قرآن مجید میں ہے

"واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن "(الطلاق:۴)

''اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کا وضع حمل ہے۔''

(۱) [ابوداؤد:کتاب النکاح :باب فی وطء السبایا(۲۱۵۸)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس ممانعت کی بنیادی علت بھی غیر کی کھیتی کو پانی پلانے اور نسب کے مختلط ہونے والی صورت ہے لیکن اگر طلاق دینے والا شخص حالت حمل ہی میں عورت سے رجوع کرنا چاہے تو وہ نہ صرف اس کا مجاز ہے بلکہ اس سے ہمبستری بھی کرسکتا ہے کیونکہ عورت کا حمل اسی کے نطفہ سے ہے۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے زانی کا نکاح اپنی حاملہ مزنیہ سے درست ہونا چاہئے کیونکہ وہ بھی اسی کے نطفے سے حاملہ ہوئی ہے اور اس کا یہ نکاح ایسے ہی درست ہوگا جیسے طلاق دینے والے کا اپنی مطلقہ (بیوی) سے حالت حمل میں رجوع درست ہے۔

۴۔ اگر حاملہ مزنیہ کا نکاح وضع حمل تک روکے رکھا جائے گا تو اس سے نہ صرف مزنیہ اور اس کے اولیا واقارب کی فضیحت ورسوائی ہے بلکہ معاشرتی طور پر بھی اس کے برے اثرات مرتب ہوں گے لیکن اگر مزنیہ کا اسی زانی سے نکاح کردیا جائے تو اس سے نہ صرف یہ کہ ان تمام مفاسد کا سدباب ہوگا بلکہ ''**الولد للفراش**'' کے بموجب نومولود بھی اسی 'زانی خاوند' کی طرف منسوب ہوگا اور اس کی تربیت اور اخرجات کا بھی یہی شخص ذمہ دار ہوگا۔ بہرصورت مندرجہ بالا دلائل اور فقہا کے اقوال سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مزنیہ حاملہ سے زانی کے نکاح کی گنجائش شریعت میں موجود ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واکمل!**

زانیہ سے کسی دوسرے کا نکاح جائز ہے بشرطیکہ...

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے مثلاً ماں، بہن، بیٹی ...وغیرہ ان کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

واحل لکم ماوراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین (النساء۔۲۴)

''ان کے علاوہ جو عورتیں ہیں وہ تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں بشرطیکہ تم اپنے مال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(مہر) کے ساتھ ان سے نکاح کرو، پاکدامنی کے لیے نا کہ شہوت رانی کے لیے۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حلت نکاح کے لیے مرد کا محصن وعفیف یعنی پاکدامن وغیرزانی ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی دوسری آیت میں ہے کہ

"والمحصنات من الذین اوتوا الکتا ب من قبلکم اذا آتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخذان "(المائدۃ۔۵)

"پاکدامن مسلمان عورتیں اور اہل کتاب کی وہ عورتیں بھی حلال ہیں جو پاکدامن ہوں بشرطیکہ تم ان کے مہر ادا کرو۔ اس طرح کہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کرو۔ یہ نہیں کہ علانیہ زنا کرو یا پوشیدہ بدکاری کرو۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مرد ہی کی طرح عورت سے حلت نکاح کے لیے اس کا محصنہ وعفیفہ یعنی غیرزانیہ اور پاکدامنہ ہونا بھی ضروری ہے لیکن اگر نکاح کرنیوالے جوڑے میں سے کوئی ایک زنا یا عادت زنا کا مرتکب ہو تو ان کا نکاح اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ وہ زنا کا مرتکب سچی توبہ نہ کرلے۔ سچی توبہ سے چونکہ سب سے بڑا گناہ یعنی 'شرک' بھی اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں۔ اس لیے 'زنا' جیسے گناہ سے معافی بھی کچھ بعید نہیں۔ علاوہ ازیں توبہ کے بعد تائب سے زانی وبدکار کی صفت بھی از خود زائل ہوجاتی ہے اور وہ بھی محصنوں اور پاکدامنوں کی فہرست میں شامل ہوجاتا ہے۔ البتہ اگر سچی توبہ نہ کی گئی ہو تو پھر ایسے شخص سے نکاح حرام ہے جیسا کہ کتب احادیث میں صحیح روایت ہے کہ

"مرثد بن ابی مرثد غنوی صحابی کے مکہ کی ایک 'عناق' نامی بدکارہ عورت سے ناجائز تعلقات رہ چکے تھے۔ اسلام قبول کرلینے کے بعد حضرت مرثدؓ نے اس عورت سے نکاح کرنا چاہا اور اس مقصد کے لیے آنحضرتؐ سے اجازت مانگی مگر آپؐ نے اسے کوئی جواب نہ دیا پھر یہ آیت نازل ہوئی: والزانیۃ لاینکحھا الازان اومشرک (کہ زانیہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے نکاح ،زانی اور مشرک ہی کرتا ہے)تو آپؐ نے مرثد کو بلا کر یہ آیت سنائی اور فرمایا کہ اس عورت سے نکاح نہ کرنا۔''(۱)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ ایک مسلمان آدمی نے ام مھزول نامی بدکارہ عورت سے نکاح کے لیے آنحضرتؐ سے اجازت طلب کی تو آپؐ نے یہی مذکورہ آیت پڑھ کر اسے ایسی فحبہ عورت سے نکاح کرنے سے منع فرمادیا۔(۲)

معلوم ہوا کہ زنا کے بعد توبہ نہ کرنے والے یا پیشہ ور بدکاری کرنے والے مرد یا عورت سے نکاح جائز نہیں تاوقتیکہ وہ سچی توبہ نہ کرلے۔حافظ ابن کثیر امام احمد بن حنبلؒ کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ

''کسی پاکدامن مرد کا کسی زانیہ وبدکارہ عورت سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا الا یہ کہ وہ بدکارہ توبہ کرلے تو پھر اس سے نکاح صحیح ہے ورنہ نہیں۔اسی طرح پاکدامن عورت کا کسی زانی وبدکار مرد سے نکاح بھی صحیح نہیں ہوتا تاوقتیکہ وہ سچی توبہ کرلے۔''(۳)

البتہ اگر زانیہ حالت حمل میں ہو تو اندریں صورت اس کا نکاح اس زانی سے تو درست ہے جس کے نطفہ سے وہ حاملہ ہوئی ہے (جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے)مگر کسی دوسرے شخص سے اس کا نکاح درست نہیں تاوقتیکہ وضع حمل نہ ہوجائے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

''کسی مومن شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ غیر کی کھیتی کو سیراب کرے۔''(ابوداؤد)

یعنی غیر شخص سے حاملہ ہونے والی عورت سے ہمبستری کرنا اس کے لیے جائز نہیں۔البتہ اگر وضع حمل ہو چکا ہو تو پھر کسی بھی شخص سے اس کا نکاح جائز ہے۔

---

(۱) [ابوداؤد :کتاب النکاح :باب فی قوله الزانی لاینکح لازانیة--- (۲۰۵۱)ترمذی (۳۱۷۷)نسائی (۶/۶۶)]

(۲) [مسند احمد (۲/۱۵۸-۲۲۵)تحفة الاشرف (۸۹۱۲)]

(۳) [تفسیر ابن کثیر(ص ۴۲۱ ج ۳)]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ